ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

امن، محبت اور انصاف کی داعی: فیض احمد فیض کی شاعری

۱۔قربان علی ۲۔ڈاکٹر محمد امجد عابد ۳۔عاطف منظور

۱۔ لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج بدوملہی، نارووال

۲۔ لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

۳۔ لیکچرر (وزٹینگ)، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Abstract:

The purpose of this article is to highlight the thought provoking social dimensions the art of Faiz Ahmad Faiz whose sole focus is to survive with dignity in the society. The harsh realities of life have been discussed with a sense of solitude, to think, inspire and catharsis oriented message for an Individual. He was symbol of revolt and dissidence. The dignity of Human being is translated into his poetry. He has doctrinated profound humanism through great ideological power and spiritual continuum He has rejected the theory of art for the sake of art. This article highlights the deep insight in the poetic decision of Faiz Ahmad Faiz.

Key words:. Peace, Love, Justice, Freedom, Equality, Humanity, Romance, Earth.

کلیدی الفاظ: امن، محبت، انصاف، شاعری، آزادی، مساوات، انسانیت، رومانویت، دھرتی

پیغمبروں کے بعد انسانیت کو جبر واستبداد کی زنجیروں سے رہا دیکھنے کی تمنا کرنے والی شخصیات مفکروں، ادیبوں اور شاعروں کی ہے۔ ہر عہد میں مفکروں، ادیبوں اور شاعروں نے انسانی آزادی کے گیت لکھے اور گائے۔ ان گیتوں میں استبداد کے ہتھکنڈوں کی نشاندہی سے لے کر ان سے رہائی پانے تک کی جد وجہد کا رنگ نمایاں تھا۔ ان کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ عقل اور علم کی روشنی میں انسانیت کو عدل وانصاف، امن، محبت، آزادی اور مساوات کے ان ابدی اصولوں سے روشناس کرایا جائے جن پر عمل کرنے سے انسانیت کے رخسار پہ سُرخی آجائے۔ ایک ایسے متمدن اور محبت عالم سے ہمکنار معاشرت کی تعمیر ہو جائے۔ جس میں ہر انسان دوسرے انسان سے محبت کرے ۔اور پورا معاشرہ نیکی، خیر اور محبت کی دولت سے مالا مال ہو۔

بد قسمتی سے ہر دور میں انسان نے اپنی تمناؤں کے حصول کے لیے دوسرں کی آزادی، سوچ اور عمل پہ غاصبانہ قبضے کی روایت کو آگے بڑھایا ہے جس کے باعث انسانیت کا مستقبل ہمیشہ مخدوش رہا ہے۔ امن وامان اور خوشحالی کے خوابوں پہ آئے روز ڈاکے پڑے ہیں اور انسان کے ہاتھ اپنے بھائی بندوں کے لہو سے یوں ترَ ہوئے کہ پہلے انسان کے قتل سے لے کر آج تک کی انسانیت کی تاریخ مظالم اور خوں فشانی سے ترَ ایک روایت کی طرح سامنے آتی جا رہی ہے۔ اس پر فکر کرنے والے شاعروں نے آنسو بھی بہائے ہیں اور انسانیت کو اس کی منزلِ حقیقی کی طرف لے جانے کی راہ بھی دکھائی ہے۔ سب انسان برابر ہیں اور ایک جیسے حقوق رکھتے ہیں اور ان حقوق کو حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے پُرامن بقائے باہمی کے نظریے کے مطابق سب کو اپنے اپنے دائرے میں حرکت اور عمل کی آزادی حاصل ہے۔ انسان فانی ہے لیکن انسانیت کو فنا نہیں ہے۔ انسان اپنے وجود کی سلامتی کے لیے دوسرے انسان کی انسانیت کو اگر کچلنے کے درپے ہو گا تو لازمی بات ہے کہ انصاف اور امن کا خون ہو گا اور کسی اور کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ کر انسانیت کی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

اعلیٰ اقدار کو زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔ اس حوالے سے شاعروں نے اس دنیا کے حُسن اور رعنائی کو برقرار دیکھنے کے لیے اسے ہر قسم کی دہشت اور بربریت سے بچانے کے لیے گیت اور نظمیں لکھی ہیں جو کہ ہر دور کے ادب میں اپنے ہونے کا احساس دلاتے ہوئے آنے والے کل کو روشنی عطا کر رہی ہیں۔

اردو ادب میں فیض احمد فیض کی شاعری امن اور محبت کے جس بلند تر معیار کی صورت گری کرتی ہے اسے بلاشبہ ہمارے ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کی شاعرانہ عظمت کا اظہار ان کے بیشتر کلام میں مخلوق خدا کے دلوں کے ساتھ دھڑکتے احساسات کی حامل شاعری میں بڑا نمایاں دکھائی دیتا ہے ان کی شاعری لوگوں میں بلا تفریق ان کے مساوی حقوق کے دیئے جانے کی تمنا کرتی ہے اور معاشرے میں امن قائم کرنے کے حوالے سے کسی بھی نوعیت کے ظلم و ستم، جبر اور استحصال کے خلاف باآواز بلند اپنا احتجاج پیش کرتی ہے۔ وہ ایک منصفانہ معاشرے کی تشکیل کے لیے انسانیت کی اعلیٰ اقدار پہ یقین رکھنے والے شاعر ہیں اور یہ ایقان و ایمان ان کی شاعری کے ساتھ ان کی نثر میں بھی پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

"یوں تو ذہنی طور سے مجنون اور جرائم پیشہ لوگوں کے علاوہ سبھی مانتے ہیں کہ امن اور آزادی بہت حسین اور تابناک چیز ہے اور سبھی تصور کر سکتے ہیں کہ امن گندم کے کھیت ہیں اور سفیدے کے درخت، دلہن کا آنچل ہے اور بچوں کے ہنستے ہوئے ہاتھ، شاعر کا قلم اور مصور کا موئے قلم اور آزادی ان سب صفات کی ضامن اور غلامی ان سب خوبیوں کی قاتل ہے جو انسان اور حیوان میں تمیز کرتی ہے یعنی شعور اور ذہانت، انصاف اور صداقت وقار اور شجاعت، نیکی اور رواداری۔ اس لیے بظاہر امن اور آزادی کے حصول اور تکمیل کے متعلق ہوش مند انسانوں میں اختلاف کی گنجائش نہ ہونا چاہیے لیکن بد قسمتی سے یوں نہیں ہے کہ انسانیت کی ابتدا سے اب تک ہر عہد اور ہر دور میں متضاد عوامل اور قوتیں بر سرِ عمل اور بر سرِ پیکار رہی ہیں۔ یہ قوتیں ہیں تخریب و تعمیر، ترقی اور زوال، روشنی ا ور تیرگی، انصاف دوستی اور انصاف دشمنی کی قوتیں۔"(۱)

متضاد اور متحارب قوتوں کی باہمی آویزش اور آمیزش کے باعث جس طرح یہ دھرتی امن اور محبت کے پھول کھلانے اور اس گلشن کو اجاڑنے کے عمل سے گزر رہی ہے اس سے ہمیں انسانیت کے مستقبل کے بارے میں ان تفکرات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے جو ہمارے قلم کاروں کے قلب و نظر پہ قیامت کی طرح گزرتے ہیں۔ انسانیت کے رُخِ تاباں کو گل رنگ دیکھنے کی تمنا اور اس تمنا کے بالمقابل متحارب قوتوں کے حملے اور ان کے نتائج ہمیں ہر دور کی شاعری میں دکھائی دیتے ہیں۔

فیض کی شاعری کی ابتدا بلاشبہ رومانوی ہے لیکن اس رومانویت میں انسانیت کے لیے درد اور اس کی شاد کامیوں کی آرزو کا رنگ ابتدا سے ہی دیدنی رہا ہے۔

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبُوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
تیری صُورت سے ہے عالم میں بہاروں کو ثبات
تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
تو جو مِل جائے تو تقدیرِ نگوں ہو جائے
یوں نہ تھا، میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں مَحبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا(۲)

اپنے رومانی خوابوں کے جلو میں فیض کا یہ انداز فکر کہ اگر تو مل جائے تو تقدیر نگوں ہو جائے، ہمیں ان کے رومانوی رویے کے دلکش اسلوب سے واقفیت دلاتا ہے لیکن ان کا دوسرے ہی مصرعے میں یہ کہنا کہ ''یوں نہ تھا، میں نے فقط چاہا تھا یوں ہو جائے'' ہمیں شاعر کے دنیا کے بارے میں انداز فکر سے بھی آگہی دیتا ہے کہ یہ دنیا ہے جو رومان اور

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

محبت کے خوابوں کے بسیروں کو اجاڑنے کے درپے ہے۔ یہ امن اور محبت کے گلستانوں میں اپنی زہریلی سوچوں سے موت کا راج دیکھنے کی تمنائی ہے۔ فیض کی شاعری میں زندگی کی سماجی کشمکش اور حالات کی یہ ناسازگاری کا بیان نقشِ فریادی کے دوسرے حصے میں جب ان کی نظم ''رقیب سے'' تک پہنچتا ہے تو ہمیں فیض کے ہاں ایک ایسے اسلوب کی تعمیر دکھائی دیتی ہے جو آنے والے کل میں ان کی شاعری کا خاص انداز بن کر سامنے آتا ہے اور ان کی شاعرانہ فکر کا بھرپور اور بلیغ اظہاریہ بھی بنتا ہے۔ لکھتے ہیں:

عاجزی سیکھی، غریبوں کی حمایت سیکھی
یاس و حرماں کے، دکھ درد کے معنی سیکھے
زیر دستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا
سرد آہوں کے، رُخِ زرد کے معنی سیکھے(۳)

انسانیت کے لیے ان کا دردمند دل کس طرح سے سوچتا ہے اور اس پہ کیا کیا قیامتیں گذر جاتی ہیں اس کے آغاز کو یہ شاعرانہ اظہار بتانے کے لیے کافی ہے کہ اپنے غم کو دل میں لیے جب فیضؔ نے دنیا بھر کے غموں کی ماری انسانیت کو دیکھا تو اُنھیں ان کی محبت نے یاس و حرماں کے معانی سکھائے اور سرد آہوں اور رُخِ زرد پہ لکھی جانے والی درد کی تحریر کے معانی کی حقیقت سے بھی روشناس کرایا۔ تب فیضؔ کے لہجے میں ایک ایسی درد کی شدت نیا رُخ اختیار کرتی ہے جو ان کی بقیہ ساری شاعری میں ہمیں بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔

جب کبھی بکتا ہے بازار میں مزدُور کا گوشت
شاہراہوں پہ غریبوں کا لُہو بہتا ہے
آگ سی سینے میں رہ رہ کے ابلتی ہے نہ پوچھ
اپنے دل پر مجھے قابُو ہی نہیں رہتا ہے(۴)

فیضؔ کی شاعری میں حقیقت پسندی کا عنصر بہت نمایاں ہے۔ ترقی پسندی کا احساس ان کی سرشت میں شامل تھا۔ پاکستان کے قیام کے لیے جتنی قربانیاں دی گئیں اور ان قربانیوں کو جس طرح سے اپنے ذاتی حلب و منفعت کی جس طرح سے بنیاد بنا کر مفاد پرستوں اور ابن الوقت سیاست دانوں نے جس طرح کا گھناؤنا کھیل کھیلا اور دیارِ وطن کی جس طرح سے بے آبروئی کی فیضؔ اس پہ چپ نہ رہ سکے ان کے عصری شعور نے بڑے دبنگ لہجے میں اپنا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل (۵)

یہ اظہار، آزادی کے خوابوں کے حوالے سے ان کے عہد کے انسانوں کو دیکھنے اور سوچے جانے والی تمناؤں کی یوں بربادی پہ ایک نوحہ کی ہی صورت ہی میں نہیں سامنے آیا بلکہ انسانوں پر ٹوٹنے والی قیامت اور آزادی کی آرزوؤں کی پائمالی میں سیاست دانوں کی مکروہ سیاست کے کارہائے نمایاں کے ردِ عمل میں سامنے آیا۔ دیکھا جائے تو ہر بالغ فکر اور حریت پسند دانشور نے اسی طرح سے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے۔ فیضؔ کے عصری شعور نے عوامی امنگوں اور خوابوں کی بربادی پہ اپنی شعری کاہش سے اسی طرح کی اور غمازی بھی کی ہے لیکن اس کے پس منظر میں مایوسی کی بجائے امید کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ لکھتے ہیں:

تیرگی ہے کہ امڈتی ہی چلی آتی ہے
شب کی رگ رگ سے لہو پھوٹ رہا ہو جیسے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

چل رہی ہے کچھ اس انداز سے نبضِ ہستی
دونوں عالم کا نشہ ٹوٹ رہا ہو جیسے
رات کا گرم لہو اور بھی بہ جانے دو
یہی تاریکی تو ہے غازہ رخسار سحر
صبح ہونے ہی کو ہے اے دلِ بے تاب ٹھہر(۶)

لیکن کیا آزادی کے خوابوں کے لہو سے ڈھل کر کوئی صبح طلوع ہوئی یا ہو پائی؟ہم جب اس تناظر میں مملکت خداداد پاکستان کے اوّلین روز وشب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں منظر کچھ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے لوٹ جھپٹ کی کارگذاری میں خوابوں کے سبھی سنہرے بدن لوٹ لیے گئے ہوں اور تمناؤں کی ساری دلہنوں کے سہاگ اجڑ گئے ہوں۔ وہ آرزوؤں کے سارے بانکے کساد بازاری کے دیو ہیکل جنات نے کچل کے رکھ دیے ہوں اور دیر تک ان کے مزاروں پہ دیپ جلانے والے کے قدموں کی چاپ بھی ابھر نہ سکی۔ یوں دیکھا جائے تو امن، آزادی، خوشحالی اور ایک خوبصورت کل کی تمناؤں کی ساری سنہری اور دوپہلی کرنیں کہیں رات کے اندھیروں میں کونوں کھدروں میں منھ چھپا چھپا کے روتی رہیں۔ فیضؔ اور ان کے قافلے کے کتنے ہی نغمہ گر شاعر اس سارے درد والم کے زندہ مظاہر پہ رات دن کڑھتے جلتے اپنا لہو جلاتے اور امید کی صبح کے انتظار میں آگے بڑھتے رہے۔اس سارے منظر کا مشاہدہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صغریٰ صدف یوں رقم طراز ہیں:

> "فیضؔ کے اِرد گِرد جو ماحول ہے، اس میں امن کا فقدان ہے۔ بازار میں مَزدور کا گوشت بِک رہا ہے۔ اس کی محنت کی کمائی عقاب ہڑپ کر گئے ہیں۔ شاہراہوں پہ غریبوں کا لہو بہ رہا ہے۔ غریب کسان جو سب کا پیٹ بھرنے کے لیے سخت محنت کرتا ہے، اس کی روٹی چھین لی گئی ہے۔ دمکتے شہروں کی فراواں مخلوق بے حس ہو چکی ہے، اس کے من میں آرزُو کی شمع بُجھ گئی ہے اور یہ صرف مرنے کی حسرت میں جیے جا رہی ہے۔"(۷)

اس سارے منظر نامے میں فیضؔ کے درد کو ہم سمجھنا چاہیں تو ان کی تخلیقات اس دور سے لہولہو اور تربہ تر ہیں۔مایوسی کے اتھاہ اندھیروں میں ڈرے سہمے شہری حق کی تمنا میں آبلہ پا اپنے لاشے گھسیٹتے جا رہے دکھائی دیتے ہیں۔ ظلم وجور کے گھٹاٹوپ اندھیروں نے ہزاروں حسیناؤں کے حُسن اور لاکھوں بانکوں کے بانکپن کو لوٹ لیا تھا۔ ایک طلسم بے انصافی اور جبر کی گہری تاریکی میں غرقاب انسانیت اشک بہاتی ہوئی ولولوں اور امنگوں کی مشعل جلاتی آنے والے کل کی جانب رواں دواں تھی۔اس خوفناک اور کریہہ ماحول میں فیضؔ اور ان کے معاصر شعرا عدل وانصاف، آزادی امن اور نیکی کی اعلیٰ قدروں پہ مشتمل ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کی تمنا لیے، اپنے اندر کے درد کو روشن کیے، تخلیق کے کرب سے گذر رہے تھے ان کی تمنا تھی کہ کاش یہ حسین وطن ایک ایسی تابندہ سرزمین میں ڈھل سکے جہاں انسان نیکی، خیر اور محبت کی شمعیں جلائے معاشرے کو جنت بداماں بنانے میں کامران ٹھہرے اور سب کے لیے زندگی کی سبھی راحتوں کے اصول کے تحت خوش حالی، کامرانی اور آسائشوں کا جہاں کھلے لیکن انسان تو فطرتاً ایک خونخوار بھیڑیا ہے اور اس سیاہ دور میں تو انسان نے تہذیب کا ملمع ہی اوڑھا ہوا تھا اور اس کی جارحیت نے نقاب پہن کر اپنے ہی لہو میں ہاتھ رنگنے کا عمل جاری رکھا ہوا تھا۔ قائداعظم جس جمہوری ریاست کی داغ بیل ڈالنا چاہتے تھے وہاں سب کے لیے امن، آزادی، محبت اور زندگی کے سارے خوابوں کی خوبصورت تعبیریں تھیں۔ لیکن جب ہم اس سارے منظر نامے میں معاشی استحصال اور سیاسی جبر کی شکار انسانیت کو دیکھتے ہیں تو ہمیں مذہبی تشدد اور فرقہ پرستی کا زہر بھی سارے عمل میں اپنے گل کھلاتا دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر صغریٰ صدف کے مطابق:

> "فیضؔ مذہبی تشدد اور فرقہ پرستی کے سخت خلاف تھے قائد اعظم نے ایک جمہُوری ریاست قائم کی تو عُلاما اور مولوی ان کی مُخالفت پر آمادہ ہو گئے، مگر جب مُلک وُجود میں آ گیا تو اقتدار حاصل کرنے کے لیے معصوم عوام کے جذبات سے کھیلنے لگے۔ شیخ، ناصح، واعظ، زاہد، مولانا،یہ سب لوگ عوام کو ورغلا کر اپنے مفاد حاصل کرتے ہیں۔ مُلک مَیں جمہُوریّت کا خاتمہ کرنا ہو یا امن و امان ختم کرنا ہو، کچھ دینی جماعتیں پیش پیش رہتی ہیں۔ ان جماعتوں نے ہمیشہ

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مارشل لا کا ساتھ دیا۔ کبھی اسلام کے نام پر منتخب حکومتیں ختم کی گئیں۔کبھی ملک میں افراتفری پیدا کی گئی۔ سیاسی عدم استحکام میں یہ لوگ ہمیشہ بدیسی طاقتوں کا آلہ کار بنتے ہیں۔" (۸)

فیضؔ نے اس عمرانی صورت حال کو بھی اپنے تناظر میں دیکھا۔ان کی شاعری میں یہ گھمبیر صورت حال اوراس کے شاخسانوں کا بھی رنگ ملتا ہے۔ان کی شاعری میں ستم کی یہ ارزانی پوری ہولناکی کے ساتھ ہمیں دکھائی دیتی ہے۔فیضؔ نہ صرف ان کے چہرے سے نقاب اتارتے ہیں بلکہ اس کی حقیقی صورت حال دکھلاتے ہوئے اپنے عصر کے لوگوں کو شعور بھی بخشتے ہیں اوران کے خوابوں کی راہ میں حائل مشکلات کا بہ نظر غائر مطالعہ بھی پیش کرتے ہیں۔

چلے ہیں جان و ایماں آزمانے آج دل والے
وہ لائیں لشکرِ اغیار و اعدا، ہم بھی دیکھیں گے
وہ آئیں تو سرِ مقتل، تماشہ ہم بھی دیکھیں گے
یہ شب کی آخری ساعت گراں کیسی بھی ہو ہمدم
جو اس ساعت میں پنہاں ہے اجالا، ہم بھی دیکھیں گے
جو فرقِ صبح پر چمکے گا تارا، ہم بھی دیکھیں گے (۹)

دیکھا جائے توآزادی صبح کے دیدار کو بے تاب فیض کے لہجے میں عزم صمیم کی جھلک ہمیں ان کی توانا فکر سے مملوان کی شاعری میں بھرپور جھلکتی دکھائی دیتی ہیں اور ان کے الفاظ کے شکوہ میں تقویت حوصلہ،بہادری اور زندگی کے لیے ہر خیال سے ٹکرا جانے کی بھرپور امنگ ان کے شعروں میں پوری توانائی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔استحصال خواہ وہ سماجی ہو یا معاشی فیضؔ کی نظر میں انسانی فکر اور حیات کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔فیضؔ اسی لیے ناانصافی، ظلم وستم اور بدامنی کے سبھی مظاہر کے خلاف ہیں اوران کی شاعری اس ذیل میں عالمی ادب میں بڑے مقام کی حامل ہے۔ان کے ہاں سستی نعرے بازی یا سرخ انقلاب کی تمناکا رنگ کہیں دکھائی نہیں دیتا۔وہ نہ مذہب مخالف ہیں نہ مذہبی عقائد کے خلاف لکھنے کو کوئی قابل ذکر بات سمجھتے ہیں۔اسی باعث وہ انسانی حریت کے علم بردار کی حیثیت سے اپنا خونِ دل جلا کر شعروں کی لواونچی کرتے ہوئے عدل انصاف امن اور خیر ومحبت پہ مشتمل انسانیت کے بہتر مستقبل کے لیے شاعری کرتے رہے۔ان کی ایک نظم انتساب میں آج کے نام اور آج کے غم کے نام ان کی شاعری ہمیں ان کے امن اور انصاف پہ مشتمل معاشرے کے قیام کی تمنا میں ستم ہستی انسانیت کی کتھا کہتی دکھائی دیتی ہے۔ان کے ہاں کرم خوردہ دلوں اور زبانوں کے نام ان کی محبت کا پیغام بڑی دلسوزی کے ساتھ ہمارے قلب ونظر کو اپنی گرفت میں لیتا ہے اور معاشی مسائل کے جبڑوں میں کسے بے بس انسانوں کے نام ان کا سوز ہمیں ان کے عصری شعور کا بھرپور اظہار کرتا ملتا ہے۔

ان دکھی ماؤں کے نام
رات میں جن کے بچے بلکتے ہیں اور
نیند کی مار کھائے ہُوئے بازوؤں میں سنبھلتے نہیں
دکھ بتاتے نہیں
منتوں زاریوں سے بہلتے نہیں (۱۰)

اور یہی لے پڑھنے والوں اور معصوموں کے نام رقم ہوتی ہوئی ہمارے پورے عہد کے ستم کو سامنے لاتی ہوئی فیض کے تشویش کی نئی راہوں کی بھی صورت حال ہم پہ واضح کرتی ہے۔

دیکھا جائے تو علم کی راہوں کو مسدود کرنے اور ملک پہ سیاہ رات مسلط کرنے والے عناصر فیضؔ کی نظر میں ہمارے آنے والے مستقبل کو تاریک تر کرنے اور اندھیروں کو اور بھی گہرا کرنے میں اپنے حصے کا جو کردار ادا کرتے ہیں ان پہ ان کی تنقیدی بصیرت ہم پہ یہ عیاں کرنے کو کافی ہے کہ اگر ہم ایک خوبصورت متمدن علم پرور اورا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

نصاف پسندوں پر تشکیل دینے میں کامیاب نہ ہوئے تو عالمی امن اور محبت کی لہلہاتی وادیوں میں گنگناتی انسانیت کے دلربا خوابوں کی حسین شاہراہوں پہ محبت کرنے والوں کی کائنات کبھی بن نہ پائے گی۔اسی لیے یہ کہنا کہ فیضؔ کے عصری شعور نے قیام پاکستان کے بعد پاکستانی معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں کو بخوبی دیکھا بالکل درست ہے بلکہ ان کا جائزہ لیا اور اپنی شاعری میں اس معاشرے کو امن، انصاف اور عدل پہ مبنی معاشرہ بننے کے لیے راہ متعین کرنے کے لیے فکری سرمایہ فراہم کیا۔ جب تک فیضؔ کی شاعری موجود ہے ہمارے معاشرے کو امن، خیر اور محبت کی طرف گامزن رہنے کی مہمیز ملتی رہے گی اور ایک تابناک اور روشن مستقبل کی طرف اٹھتے ہوئے فیضؔ کی فکر کے رنگ ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ فیض احمد فیض، دست تہ سنگ، ص ۱۰، مشمولہ نسخہ ھائے وفا، ص ۳۰۰، مکتبہ کارواں، لاہور۔ س۔ن

۲۔ فیض احمد فیض، نقش فریادی، ص ۵۵، نسخہ ھائے وفا، ص ۶۱، مکتبہ کارواں، لاہور

۳۔ نقش فریادی، ص ۴ ۶، نسخہ ھائے وفا ۷۰

۴۔ ایضاً

۵۔ فیض احمد فیض، صبح آزادی، دست صبا، ص ۲۰، نسخہ ھائے وفا، ص ۱۱۶

۶۔ دست صبا، ص ۱۲، نسخہ ھائے وفا، ص ۱۰۸

۷۔ صغری صدف، فیض کا عمرانی فلسفہ (تحقیق و تنقید)، لاہور، ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۵، ص ۱۲۶

۸۔ ایضاً، ص ۶۷

۹۔ دست صبا، ص ۳۵، نسخہ ھائے وفا، ص ۱۳۱

۱۰۔ فیض احمد فیض، سر وادی سینا، ص ۲۱، نسخہ ھائے وفا، ص ۳۹۰